در منظوم

تذکرہ وانتخاب کلام سلطان الواعظین علامہ سید وجاہت حسین ناظمؔ اجتہادی

مقدمہ ازقلم ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمس لکھنوی، کراچی پاکستان

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

عالم ربانی خطیب لاثانی مولانا سید وجاہت حسین صاحب ناظمؔ مرحوم لکھنوی خاندان اجتہاد کی وہ بے مثال فرد تھے جن کی نظیر ان کے امثال میں ناپید تھی ان کا ادبی جاہ وجلال اور علمی مرتبہ ومقام اپنے زمانے میں مسلم تھا۔

آپ کے نانا سلالتہ العلماء مولانا سید غلام حسین ابن حضرت سلطان العلماء ابن حضرت غفران مآبؒ تھے اور آپ کے والد ماجد جناب مولانا سید سخاوت حسین صاحب مرحوم حضرت غفران مآبؒ کے جداعلیٰ سید نجم الدین سبزواریؒ کی اولاد میں تھے۔

سید نجم الدینؒ سبزواری اپنے زمانے میں علامہ روزگار، فقیہ اور محراب عبادت میں ساری رات مصروف عبادت رہنے والے متقی (۱) اور مشہور آفاق نبرد آزما شجاع وبہادر تھے جن کی نظیر چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھی۔

سال ولادت:

حضرت ناظمؔ صاحب مرحوم کی ولادت باسعادت ۶ ماہ صیام ۱۳۰۱ھ اودھ کے دار السلطنت لکھنؤ میں اس وقت ہوئی جب کہ خاندان اجتہاد میں حضرت تاج العلماء جناب سید علی محمد صاحب قبلہ اور حضرت بحر العلوم جناب سید محمد حسین عرف علن صاحب قبلہ، حضرت ملاذ العلماء جناب سید ابوالحسن عرف بچھن صاحب قبلہ، حضرت سید العلماء جناب سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ اور حضرت عماد العلماء جناب سید مصطفی عرف جناب میر آغا صاحب ایسے حضرات سریرآرائے کشور شریعت تھے۔

تعلیم:

آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی میں ہوتی رہی۔ جب علم کا بڑھتا ہوا شوق مکان کی چہار دیواری سے باہر نکلا تو اپنے خاندانی علماء سے تکمیل علوم فرماتے رہے جن میں سب سے زیادہ حضرت سلطان العلماء رئیس المجتہدین مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ دام ظلہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ چنانچہ فقہ واصول منطق وفلسفہ کی تمام انتہائی کتابیں آپ ہی سے پڑھیں۔ جب خاندانی درسیات سے فراغت پائی تو لکھنؤ کے عربی مدارس مدرسہ ناظمیہ اور سلطان المدارس کے اعلیٰ امتحانات (ممتاز الافاضل وصدر الافاضل) پاس کئے اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد سلطان المدرس میں ایک مدرس کی جگہ خالی ہوئی جس کے لئے جناب ناظمؔ مرحوم کا انتخاب کیا گیا اور آپ وہاں بحیثیت ایک قابل ترین مدرس کے درس دینے میں مشغول ہوگئے۔

حلیۂ مبارک:

چہرے سے وجاہت خاندانی اور علم و ورع کے آثار نمایاں تھے ستواں چہرہ کھڑا نقشہ، بڑی اور خوبصورت آنکھیں، ہڑدار ناک، کشادہ پیشانی، بھرے ہوئے رخسار، گندمی رنگ، خشخشی سیاہ داڑھی، متناسب اعضاء، فراخ شکم، متوسط قامت، رفتار میں عالمانہ بردباری اور چہرہ اتنا وجیہ کہ اسم بامسمیٰ کہے جانے کے مستحق تھے۔

لباس:

آپ نہایت خوش پوشاک تھے۔ جاڑوں میں مخمل جامہ دار

(۱) یہ مطلب تذکرۃ السادات سے اخذ کیا گیا ہے۔

سرج وغیرہ کا لباس پہنتے تھے۔ گرمیوں میں چکن کا مدانی اور شربتی وغیرہ کا لباس استعمال کرتے تھے۔ آپ کی وضع خاندانی تھی اور ہمیشہ عالمانہ ہی لباس پہنا چونکہ فطرتاً آپ شاعر تھے اور طبیعت میں شوخی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی اس لئے بے ساختہ اس کا مظاہرہ ہوتا رہتا تھا لیکن وقار علمی اور شان فضیلت ان کو اس میدان میں جولانی سے روکتی رہتی۔ چنانچہ آپ نے اپنی طبیعت اور لباس کا فوٹو ایک مسدس کے دو بند میں نہایت لطف سے کھینچا ہے:

حضرت جاویدؔ سے تھی گرمئ بازار نظم
باغباں سب ہیں وہ رضواں تھے پئے گلزار نظم
گو مجھے تعلیم فرمائے بہت اسرار نظم
پر میں ہوں مجبور کر سکتا نہیں اظہار نظم
لطف تو اس مئے کا جب ہے جب پئے اچھی طرح
میں تو پیتا ہوں چھپا کر خیر مخفی کی طرح

✡

ان کے ہر شاگرد کا پیمانۂ دل چور ہے
کس سے مانگے مئے کوئی ساقی کی منزل دور ہے
بندہ اپنی زاہدانہ وضع سے مجبور ہے
گو صراحی زیر دامانِ قبا مستور ہے
ساز و برگ مئے کشی اول تو باقی ہی نہیں
اور اگر ہو بھی تو کیا جب کوئی ساقی ہی نہیں

آپ اتنے جامہ زیب واقع ہوئے تھے کہ وہی ایک قبا اور آڑی ٹوپی کسی کپڑے اور کسی طرح کی بھی بنی ہوئی ہو لیکن آپ کے جسم پر آ کر ایسی موزوں اترتی تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو قبا پہننے کا حق ہے اور قبا کو آپ سے عزت ہے۔

ذکاوت:

اگر یہ کہا جائے کہ ذکاوت ذہنی خاندان اجتہاد کا حصہ ہے تو بیجا نہ ہوگا کیوں کہ آج تک یہ دیکھنے میں نہیں آیا کہ جس میں حضرت غفران مآب کا خون پاکیزہ شامل ہو گیا ہو وہ ذکی الذہن نہ ہو۔ حضرت ناظم مرحوم بھی اس موروثی حصہ میں شریک تھے اور ایسے ذکی الذہن واقع ہوئے تھے کہ باتوں باتوں میں وہ نکات علمیہ حل کر جاتے تھے جو بظاہر ایک لطیفہ ہوتے تھے لیکن فی الواقع وہ ایک سبق آموز علمی یا اخلاقی مسئلہ ہوتا تھا جس پر ہر ایک کے ذہن کا پہنچنا مشکل تھا۔

افتاد طبیعت:

آپ کی طبیعت بے انتہا شگفتہ واقع ہوئی تھی اور اتنے خوش گفتار تھے کہ جب کسی جگہ گفتگو شروع کر دیتے تھے تو حاضرین خود بخود متوجہ ہو جاتے تھے اور آپ کی گفتگو اگر چہ علمی ہوا کرتی تھی لیکن اتنی صاف اور دلچسپ کہ ذی علم و کم علم مساوی حیثیت سے مستفید ہوتا تھا۔ خواہ کتنا ہی طویل مبحث کیوں نہ ہو سننے والے کا جی نہ گھبراتا تھا بلکہ 'ھل من مزید' کی آرزو رہتی تھی۔

آپ اس قدر شیریں گفتار تھے کہ روزمرہ کی معمولی بات چیت بھی احسن القصص کا لطف دیتی تھی۔ لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی آپ کی مشہور ہے۔ آپ کے سینکڑوں علمی اور ادبی لطیفے لوگوں کی زبانوں پر ہیں اور اب تک لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے تفریحاً ایک قصیدہ عربی میں بے معنی نظم کیا تھا لیکن الفاظ کی مناسبت اور ترکیب کی خوبی اور عربی کے سانچے میں ڈھلا ہوا اسلوب یہ ایسی باتیں تھیں کہ بڑے بڑے علماء اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے کہ یہ مہمل ہے۔ سنا جاتا ہے کہ یہ قصیدہ لکھنؤ کے بعض اکابر اہل علم کو سنایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بظاہر اس کے مطالب بہت دقیق ہیں جو جلد سمجھ میں نہیں آتے ہیں، غور کے بعد اس کا مطلب بتاؤں گا۔ افسوس ہے کہ یہ قصیدہ ضائع ہو گیا اور مجھے صرف مطلع اس کا یاد ہے۔ مطلع ؎

غرغوش اوراح مطر حجا
لیست کتدویر الکراتب ھا

جس محفل میں آپ بیٹھ جاتے تھے اس صحبت میں آ کر مغموم و محزون بھی ایک زندہ دل شخص معلوم ہوتا تھا۔ آپ اپنے احباب سے نہایت خلق اور سادہ دلی سے ملتے تھے۔ حلقۂ احباب بہت وسیع تھا اور ہر دلعزیزی آپ کو ہر طبقہ میں حاصل تھی۔ اسی

نیک مزاجی اور ہردل عزیزی کا یہ اثر ہے کہ ان کے انتقال کو ایک عرصہ ہو گیا لیکن اب تک ان کا ذکر لوگوں کے دلوں کو غمگین اور آنکھوں کو پرآب کر دیتا ہے۔ گویا یہ شیرینی آپ کی جز طبیعت تھی جس کے جوہر نظم میں ایسے کھلے کہ آپ نے زمین شعر کے طبقہ مدح کو آسمان قصیدہ بنا دیا۔

طریقۂ تدریس:

جناب ناظمؔ مرحوم کو سلطان المدارس میں فقہ و اصول، فلسفہ و منطق ادب، صرف و نحو میں ہر ایک علم کی کتاب پڑھانا پڑتی تھی لیکن آپ کا تبحر علمی کسی کتاب کو شمار میں نہ لاتا تھا۔ آپ کی تقریر اتنی صاف اور سلجھی ہوئی ہوتی تھی کہ جس خوبی سے ادب وصرف ونحو کے مسائل ذہن نشین ہو جاتے تھے اسی عمدگی سے فقہ و اصول و فلسفہ و منطق کے مطالب بھی دل میں اتر جاتے تھے۔ اس تدریس میں آپ کی ذکاوت نے یہ ایک نمایاں خوبی پیدا کر دی تھی کہ آپ جب طلبا کو کسی مطلب کے سمجھنے میں دشواری ہوتی محسوس کرتے تھے تو اس مطلب کو اپنی بذلہ سنجی میں لا کے کسی لطیفہ کے ساتھ اس طرح بیان کر دیتے تھے کہ کند ذہن طالب علم بھی اسی طرح سمجھ لیتا تھا جس طرح ایک تیز دماغ طالب علم کو سمجھنا چاہئے۔

واعظی:

صدیوں سے واعظی ایسی پستی میں پڑی ہوئی تھی کہ واعظ منبر پر جاتا تھا اور کتاب کھول کر چند حدیثیں بطور آموختہ دوہرا کر منبر سے اتر تا تھا جس میں نہ تو سامعین کا دل لگتا تھا اور نہ وہ کوئی مفید بات لے کے مجلس سے اٹھتے تھے۔ حضرت بحرالعلوم اعلیٰ اللہ مقامہ نے اس انحطاط کو محسوس کر کے رنگ ذاکری بدلا اور تمہید میں تفسیر و مناظرہ علم کلام و منطق و فلسفہ کے نکات علمیہ شامل فرما کر حدیث خوانی میں وہ روح پھونک دی جس نے اس میں لازوال زندگی پیدا کر دی۔

حضرت بحرالعلوم نے ذاکری کے معیار خوبی کو خوش حالی سے منتقل کر کے تبحر علمی و نکات ذہنی قرار دیا جو واعظین کی دماغی کسوٹی ہونے کے علاوہ علمی کسوٹی بھی بن گیا اور تبلیغ مذہب کا وہ بہترین ذریعہ نکل آیا جس سے بڑھ کر قیامت تک ہونا مشکل ہے اگر چہ حضرت بحرالعلوم اپنے زمانے میں ایک جلیل القدر و مرجع خلائق مجتہد گذرے ہیں اور یہ مجتہدانہ زندگی خدمت دین و تبلیغ مذہب کے لئے کافی بھی تھی مگر ایک عالم ربانی و نائب امام نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ ان کے ہوتے حسینی مشن میں ضعف پیدا ہو، اس لئے آپ نے اپنی ذاکری میں ایسا انقلاب پیدا کیا جس نے دنیائے ذاکری کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور تمام عمر مجتہدی و ذاکری دونوں کے ذریعہ تبلیغ مذہب و نیابت اہل بیت علیہم السلام فرماتے رہے۔

یہ انقلاب ذاکری لکھنؤ تک محدود نہ رہا بلکہ اس کے فوائد و محبوب القلوبی ہندوستان گیر ثابت ہوئی اور رفتہ رفتہ تمام ہندوستان کے علماء و واعظین حضرت بحرالعلوم کی تقلید کرنے لگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب مرحوم کے بعد جس عالم یا واعظ نے حضرت بحرالعلوم کا رنگ اختیار کیا وہ تو مقبول عام ہوا ورنہ ایک روضہ خوان سے زائد مرتبہ نہ پاسکا۔ چنانچہ آج بھی ہندوستان کے مشہور مشہور علماء واعظین اسی جادۂ عمل پر گامزن ہیں اور جب سارے ہندوستان میں یہی رنگ محبوب و مرغوب قرار پایا تو مولانا ناظم مرحوم حضرت بحرالعلوم خواہرزادہ ہو کر کیسے اس رنگ سے خالی رہتے چنانچہ انھوں نے بھی یہی طرز واعظی اختیار کیا اور ایسی ایسی معرکہ آرا مجلسیں پڑھیں کہ یادگار زمانہ۔

جناب ناظم مرحوم کی آواز چھوٹی تھی لیکن طرز بیان ایسا دل نشیں تھا کہ آپ کا ایک ایک فقرہ دل میں گھر کر لیتا تھا اور ایک ایک نکتہ سامعین پر وجدانی کیفیت طاری کر دیتا تھا۔ آپ کی خداداد طبیعت اور اسرار آشنا دماغ سر منبر ایسے ایسے مضامین قدسیہ اور مضامین علمیہ پیدا کرتا تھا جس کا مثل ہونا مشکل ہے۔

ایک مرتبہ سورۂ ھل اتی کی تیس آیتوں میں محدود ہونے کا قرآن مجید کی آیۂ من جاء **بالحسنة فله عشر امثالها** سے استدلال فرماتے ہوئے بیان کیا کہ سیدۂ عالم نے تین روز تین بھوکوں کو اپنا حصہ دیا ہر روز ایک روٹی یعنی تین روز میں تین روٹیاں دیں جب تین حسنہ کئے تو اس کا اجر کتنا ہونا چاہئے قرآن

کی آواز ہے "من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا" جو شخص ایک حسنہ کرتا ہے خداوند عالم اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھتا ہے۔ سیدہ نے تین روز تین روٹیاں دیں جس کے عوض میں تیس آیتوں کا سورہ نازل ہوا اور اس سے بہتر سیکڑوں نکات ہیں جو علامہ ناظم مرحوم نے اپنے بعد والوں کے لئے شمع راہ بنا کر چھوڑے۔

شاعری:

خاندان اجتہاد کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ اس نے دیگر علمی خاندانوں سے مستزاد دو طرح پر خدمت دین ادا کی۔ ایک تو علوم اہلبیتؑ کے ذریعہ اور دوسرے علم ادب کے ذریعہ اور جہاں علماء اتنے پیدا کئے کہ جس کی نظیر عالم کے خاندانوں میں ملنا ناممکن ہے، وہاں شعراء بھی اتنے پیدا کئے کہ اگر ان سب کو ایک ایک سلک میں منسلک کر دیا جائے تو ایک خاندان شاعری بھی بن سکتا ہے۔ اس پر یہ خصوصیت رہی کہ شاعری کو تفنن طبع نہیں قرار دیا بلکہ اس کے ذریعہ بھی ادبی ترقی اور مذہبی تبلیغ کی گئی۔ حضرت غفران مآب علیہ الرحمۃ کے تذکرہ ہی سے ان کا مداح اہل بیتؑ ہونا پایا جاتا ہے اور ایک فارسی کا قصیدہ بھی ملتا ہے ان کے فرزند اکبر حضرت سلطان العلما رضوان مآب کے ذوق شعری کا یہ عالم تھا کہ لکھنؤ کے مشہور ادیب جناب مفتی میر عباس صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ آپ کے نکات ادبی سے مستفید و مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ آپ کے نظم کئے ہوئے اشعار جناب غفرآن مآبؒ کے امام باڑہ کے درون کی محرابوں میں لکھے ہوئے تھے جو امتداد زمانہ کی وجہ سے محو ہو گئے۔ ان کے فرزند اکبر حضرت منصف الدولہ شریف الملک مولانا سید محمد باقر صاحب بھی ایک اکمل ادیب تھے ان کے صاحب زادے جناب مولوی سید محمد جعفر صاحب امیدؔ اپنے زمانے میں مسلم الثبوت استاد گذرے ہیں اور ان کے صاحب زادے جناب مولوی بندہ کاظم صاحب جاویدؔ مرحوم اس پایہ کے شاعر تھے کہ سرزمین لکھنؤ آپ کی ذات گرامی پر ہمیشہ ناز کرے گی اور زمانے کے ورق پر آپ کے کمالات کا نقشہ نمایاں رہے گا۔

جناب رضوان مآب کے دوسرے صاحب زادے جناب خلاصۃ العلماء مولانا مرتضیٰ ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ متین تخلص تھا بکثرت نوحے آپ کے مصنفات سے موجود ہیں۔ آپ کے صاحب زادے جناب مولانا محمد اصطفی صاحب خورشیدؔ مرحوم مسلم الثبوت اور کامل الفن استاد تھے حضرت جاویدؔ مرحوم کو شرف تلمذ آپ ہی سے تھا اور آپ کو حضرت امیدؔ مرحوم سے۔ آپ کے فرزند اکبر جناب مولانا سید عابد حسین چھبن صاحب کو خاندانی علوم میں خاص تبحر تھا ذاکر بھی ممتاز تھے۔ شاعری سے بھی کافی ذوق تھا۔ یہ پہلے وہ شاعر ہیں جنھوں نے موجودہ طرز نوحہ خوانی کی بنیاد قائم کی اور روائتیں نظم کرنے کی ابتدا کی آپ کے معرکہ آرا روایتی ماتم کا مطلع یہ ہے ؎

اہل حرم کو قید میں عرصہ جو ہو گیا
مولا کی پیاری بیٹی کو بے حد قلق ہوا

اور منجھلے صاحب زادے سید احمد عرف اغنؔ صاحب قمرؔ نہایت خوش فکر شاعر تھے اور چھوٹے بیٹے جناب سید حسین عرف بنے صاحب اخترؔ بلا کے شوخ طبیعت تھے۔ غزل میں مثل نہ رکھتے تھے۔ آپ کا کمال کمسنی ہی میں مسلم ہو چکا تھا لیکن افسوس عمر نے وفا نہ کی اور عین شباب ہی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

جناب رضوان مآب کے صاحبزادوں میں جناب ملک العلماء جناب سید عبداللہ، جناب سید صادق، جناب سید غلام حسین طاب ثراہم کے متعلق تو البتہ نہیں معلوم کہ یہ حضرات شاعر تھے یا نہیں لیکن سید غلام حسین صاحب کی اولاد میں دو شاعر ہیں ایک حضرت سلطان العلماء رئیس المجتہدین مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ۔ آپ کا کمال شاعری مثل دیگر علوم میں اکملیت کے اساتذۂ فن کے نزدیک مسلم ہے۔ دور فلک اپنی سیکڑوں گردشوں کے بعد بھی ایسا شاعر نہ پیدا کر سکے گا۔ ہندوستان کے سرمایۂ افتخار ادیب جناب لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی صاحب عزیزؔ نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر تم کو جناب کے کچھ شعر یاد ہوں تو پڑھو۔ مجھے ایک مطلع اور ایک شعر یاد تھا عرض کر دیا۔ جناب لسان الہند نے ان دونوں شعروں کی بہت تعریف فرمائی اور فرمایا

یہ دونوں شعر شعراء حال کی فکر سے بالاتر ہیں۔ وہ دونوں شعر یہ تھے۔ مطلع ؎

اک سانس یہ لی کس نے مرقد میں قیامت کی
مٹی ابھر آئی ہے بیٹھی ہوئی تربت کی

شعر ؎

دل تھام لیا اپنا صحرا میں بگولوں نے
اف کہہ کے جو گرد اٹھی بیٹھی ہوئی تربت کی

جناب ناظمؔ صاحب مرحوم کو شاعری میں بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور بحیثیت قرابت آپ جناب ناظمؔ صاحب کے خالہ زاد بھائی ہیں۔

دوسرے جناب علامہ ناظم مرحوم ہیں جن کی سوانح حیات لکھنا ہمارا نصب العین ہے۔

جناب رضوان مآب کے ساتویں صاحب زادے علامۂ روزگار مولانا علی اکبر صاحب مرحوم بڑے پائے کے شاعر تھے آپ کی کئی علمی و اخلاقی مثنویاں طبع ہو چکی ہیں اور نوحوں کی متعدد بیاضیں چھپ چکی ہیں۔

جناب رضوان مآب کے آٹھویں صاحب زادے جناب مولانا سید محمد علی صاحب مرحوم بھی قادر الکلام شاعر تھے نوحے کہنا آپ کا خاص حصہ تھا۔

نویں صاحب زادے جناب رضوان مآب کے سرکار علامہ تاج العلماء ہیں آپ کی سوانح عمری میں ہم نے اپ کی شاعری سے کافی بحث کی ہے۔

جناب غفران مآب کے تیسرے صاحب زادے جناب مولانا سید حسن صاحب مرحوم کی اولاد میں جناب مولانا حکیم سید علی صاحب آشفتہؔ بھی ایک با اقتدار شاعر ہیں آپ کو ادبی حلقوں میں خاص شہرت حاصل ہے۔ لکھنؤ کے شعراء میں آپ کی شخصیت نمایاں ہے۔ حضرت جاویدؔ مرحوم کی زندگی میں آپ اپنا کلام ان کو دکھاتے تھے اور ان کے بعد حضرت عزیزؔ لکھنوی کے کمالات ادبیہ سے مستفید ہوئے لیکن اب اپنا کلام کسی کو نہیں دکھاتے۔

جناب غفران مآب کے چوتھے صاحب زادے جناب کہف العلما مولانا سید مہدی صاحب طاب ثراہ کے پوتے جناب عماد العلماء مولانا سید مصطفی المعروف بجناب میر آغا صاحب طاب ثراہ بھی شاعر تھے۔ آپ نے ایک زبردست مثنوی معجزات ائمہ میں نظم کی تھی اور نوحے بھی آپ کے کثیر تعداد میں جناب قدوۃ العلما مولانا آقا حسن صاحب کے پاس موجود تھے۔ خود جناب قدوۃ العلماء کو بھی شاعری سے کافی ذوق تھا۔ آپ نے بھی بکثرت نوحے تصنیف کئے لکھنؤ کی مشہور ماتمی انجمنوں کے نوحے جناب کی اصلاح سے مزین ہوا کرتے تھے۔

جناب غفران مآبؒ کے پانچویں صاحب زادے حضرت سید العلماء علیین مکان طاب ثراہ خود تو شاعر نہیں تھے لیکن ان کے فرزند اکبر جناب زین العلما عضد الدین مولانا سید علی حسین طاب ثراہ شاعر تھے اور ان کے بڑے صاحب زادے جناب صادق حسین صاحب مرحوم ایک باکمال شاعر تھے اور چھوٹے صاحب زادے خلاق مضامین مولوی سید مہدی حسین ماہرؔ مرحوم اپنے رنگ کے موجد اور خاتم تھے اس رنگ کا شاعر نہ ان سے پہلے کوئی پیدا ہوا نہ ان کے بعد۔ جیسے جیسے مضامین عالیہ ان کے دماغ سے ڈھل کے نکلتے تھے، اس کی نظیر متقدمین و متاخرین کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتی ان کی نازک خیالی اور مضمون آفرینی مسلم ہے۔

ملک کے مشہور ادیب جناب صفدرؔ مرزا پوری 'مرقع ادب' کے صفحہ ۷ پر تعارف کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ زبان ان کی لکھنؤ میں بھی مستند مانی جاتی ہے۔

انہیں جناب زین العلماء کی اولاد میں جناب مولوی سید اصغر حسین صاحب فاخرؔ مرحوم اور جناب دعبل ہند مولوی سید فرزند حسین صاحب ذاخرؔ مرحوم کی شاعری بھی محتاج تعارف نہیں۔ جناب دعبل ہند کو ہندوستان میں خاص شہرت حاصل تھی۔ آپ کا حلقۂ تلامذہ اتنا وسیع ہے کہ شائد ہندوستان میں کسی شاعر کا نہ ہوگا اور آپ کا کلام تمام اصناف سخن میں موجود ہے۔ افسوس کہ مضمون کے اختصار کا خیال اس کا بھی روادار نہیں کہ

خاندان اجتہاد کے شعراء کی صرف فہرست ہی سلسلہ وار پیش کی جائے اور ہر ایک کے کلام پر تبصرہ کے لئے تو یہ مضمون ہی نہیں۔ خاندان میں ابھی بہت شعراء ہیں جن کا تذکرہ باقی ہے جن میں جناب سید ساجد علی صاحب فہیمؔ اور جناب سید صادق علی صاحب عرف چھنگا صاحب حسینؔ مرحوم خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور جناب حسینؒ مرحوم کی شاعری تو معجزہ تھی۔

ان میں سے بیشتر حضرات کی عمر تو مرثیہ گوئی و مداحیٔ اہلبیتؑ ہی میں تمام ہوئی اور اکثر حضرات اپنی طرز کے بادشاہ اور اپنے مخصوص رنگ میں بےنظیر استاد گذرے ہیں۔ انہیں حضرات میں جناب ناظمؔ مرحوم بھی تھے جن کے خصوصیات شاعری کا اجمالی خاکہ کھینچنا منظور ہے۔

جناب ناظمؔ مرحوم ایک جید شاعر تھے جو مشق سخن کے زمانہ میں حضرت جاویدؔ مرحوم سے اصلاح لیتے تھے لیکن ان کے زمانۂ حیات ہی میں استادی کا مرتبہ حاصل کر لیا۔ آپ فنی حیثیت سے ایک مکمل استاد ہونے کے علاوہ ایک نازک خیال معنیٰ آفریں بلند پایہ شاعر تھے اور باوجود ہر صنف شاعری پر قدرت رکھنے کے قصیدہ، مرثیہ اور نوحے کے علاوہ کسی دوسری صنف میں اپنی عالمانہ وجاہت کی وجہ سے شعر نہیں کہا لیکن جو کچھ کہا اس سے ان کی خوش گوئی اور قدرت شعری نمایاں ہے ان تینوں صنفوں میں سے قصائد جو آپ کی شہرت کے بال پرواز ہیں، ان کی خوش اسلوبی تو ضرب المثل ہے۔

نوحے جو کچھ کہے ان کا وجود نہیں ہے اور اگر کہیں ہو تو ہمیں اس کا علم نہیں۔ مرثیہ پانچ چھ تصنیف کئے، وہ بھی اپنے نام سے نہیں کسی دوسرے شخص کے تخلص سے جنہوں نے لکھنؤ کے حلقۂ شاعری میں ان مرثیوں کی وجہ سے تلاطم عظیم برپا کر دیا اور ہر کہہ و مہ کو اپنا گرویدۂ استحسان بنا لیا۔ ایک عرصہ تک انھیں کا ذکر ہوتا رہا۔ بند کے بند لوگوں کو زبانی یاد تھے، گلی کوچوں میں بھی ذکر تھا۔

جناب رشیدؔ مرحوم نے مرثیہ میں بہار جس پایہ کی نظم کی ہے اس کے بعد بہار کہنا آسان نہیں لیکن جناب ناظمؔ مرحوم کی رنگینیٔ طبع نے وہ لال لال بھبوکا سے اغوانی پھول کھلائے جس سے چمن نظم کی رونق دہ چند ہو گئی بہاریہ مضامین کو روزمرہ کی بول چال اور نازک محاورات میں نظم کیا کہ خزاں خوردہ مضامین تر و تازہ ہو گئے۔ انہوں نے اس رنگ میں بھی کسی کی تقلید نہیں کی بقول انیسؔ ؎

''سب سے جدا روش میری باغ سخن کی ہے''

انہوں نے اپنے مرثیہ میں ایک نمایاں رنگ ایجاد کیا۔ ان کے مرثیہ سننے سے معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے شاعری 'قدیم' میں اپنی نازک خیالی اور رنگینی طبع سے ایک نئی روح پھونک دی۔ پامال شدہ مضامین کو زندہ کر دیا بقول خاقانیؔ ''از نخل خشک خوشہ خرمہ برآورم'' کو عملی جامہ پہنا کے دکھا دیا۔

جناب ناظمؔ مرحوم کا کلام جن اصناف سخن میں موجود ہے، ان سب پر تبصرہ کا ہم کو حق حاصل ہے لیکن ہم تو ان کی شاعری کی ابتدائی منزل یا ان کی ابجد شاعری یعنی صرف قصیدہ سے اس وقت ناظرین کا تعارف کرانا چاہتے ہیں۔

قصیدہ کا معیار:

شاعری کی ابتدائی منزل غزل ہے۔ یہ ایک ایسی صنف سخن ہے جو شاعر بننے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ طبیعت کی ابتدائی مشق گاہ غزل ہے۔ غزل پر قدرت حاصل کرنے کے بعد انسان ہر صنف میں کچھ نہ کچھ نظم کر سکتا ہے لیکن جب تک غزل پر پوری پوری قدرت حاصل نہ ہو، اس وقت تک کسی اور صنف میں کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اگر جرأت بھی کرے تو کامیاب ہونا مشکل ہے۔

غزل کے بعد اور اصناف کا مرتبہ ہے لیکن قصیدہ گوئی کا معیار اتنا بلند ہے کہ جب شاعر تمام اصناف سخن پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ اس وقت قصیدہ کی طرف توجہ کرنے کی جرأت کرتا ہے، اس لئے کہ صرف قصیدہ ہی ایسی صنف ہے جس میں اعلیٰ درجہ کی بلند پروازی معنیٰ آفرینی، نازک خیالی پختگی بندش روانی کلام قدرت الفاظ کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور یہ بغیر کہنہ مشقی کے ممکن نہیں۔ لہٰذا جناب ناظمؔ مرحوم کی بلند ہمت طبیعت نے اپنے لئے پہلے قصیدہ سی بلند معیار صنف کا انتخاب کیا جو ان کی

زور طبیعت کی دلیل ہے۔ ان کے خداداد زور طبیعت اور نازک خیالی و رنگینیٔ طبع میں اس سنگلاخ زمین میں وہ وہ گلکاریاں کی کہ طبقۂ جنت بنا دیا۔ اگر ان کو رضوان فردوس قصیدہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ پہلے ہم قصیدہ کے خصوصیات کو مختصر طور سے لکھتے ہیں اور مثال میں مولانا جناب ناظمؔ مرحوم کے اشعار پیش کرتے ہیں تا کہ تم فیصلہ کر سکو کہ ناظمؔ مرحوم نے کس حد تک قصیدہ کے حدود میں رہ کر اس کے خصوصیات کو نباہا ہے اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے پہلے ہم قصیدہ کا معیار بتائیں۔

قصیدہ کا معیار ہمیشہ انسان طبائع کے نشوو ارتقا اور ان کے تہذیب و تمدن کی فراوانی کے ساتھ بدلتا رہا ہے۔ ایام جاہلیت میں قصیدہ کا معیار یہ تھا کہ ابتدا میں تمہید کلام کے طور پر کچھ باتیں واقعہ نگاری کے عنوان سے نظم کرتے تھے، خواہ اس میں ریگستانی دھوپ اور کڑاکے کی گرمی۔ اس میں اونٹ یا خچر پر یا پیادہ سفر کے صعوبات ہوں یا حسن و عشق کی معاملہ بندی۔ اس کے بعد اپنے مقصد کی طرف گریز اس میں نہ تکلفات کا گذر تھا نہ تصنعات کا شائبہ۔ اس وقت قصیدہ کا یہی معیار تھا۔ اس کے بعد کے دور میں تمدن کا ستارۂ اقبال بام ترقی پر پہنچ گیا تھا، مزاجوں میں رنگینی، حقائق میں مجازات کی جلوہ گری پیدا ہوگئی تھی، اس لئے تشبیب بھی انہیں چیزوں سے لبریز تھی اور اس لئے قصیدہ کا معیار بھی یہی قرار پایا تھا۔

زمانۂ جاہلیت کے بعد والے دور نے معنیٰ کی شانہ کشی کے ساتھ ساتھ الفاظ کی مشاطہ گری کی اور اس طرح لفظی صناعی نے زور پکڑا۔ لہٰذا قصیدہ کا معیار بھی وہی قرار پا گیا۔ پھر اس کے بعد قوت متخیلہ نے اپنا زور دکھایا یہاں تک کی معنیٰ کا طرز ادا بھی بدل گیا اور ایہام و حسنِ تعلیل، مبالغات میں معنیٰ نے جلوہ گری کی اور تشبیب نازک خیالیوں کی حامل قرار پا گئی۔ کبھی بہاریہ مضامین سے تشبیب کو دلفراز بنایا گیا اور کبھی حسن و عشق کے دلچسپ افسانوں میں سے تشبیب میں جذب پیدا کیا گیا۔ تصنعات و تکلفات کی بھی بھر مار ہوگئی۔ گویا سیدھی بات کہنا لوگ بھول گئے اور قصیدہ کا ایک معیار بھی یہی ہو گیا اور ایک زمانہ وہ آیا کہ ایران میں تصوف کا دور دورہ ہو گیا لہٰذا تشبیب پر صوفیت کا رنگ چڑھ گیا اور فلسفہ و اخلاق کے مضامین نظم ہونے لگے جس کی بنا پر قصیدہ کا معیار شوکت الفاظ، جزالت، متانت قرار پا گیا خصوصاً مدح ممدوح میں۔

اردو میں قصیدہ گوئی نے جب سے رواج پایا، یہی رنگ رہا۔ اس میں شبہ نہیں کہ قصیدہ گوئی کا جو حق تھا وہ اردو شعراء میں صرف مرزا سوداؔ، ذوقؔ غالبؔ، مومنؔ، منیرؔ نے ادا کیا ہے لیکن اس کے بعد قصیدہ کا رنگ بدل گیا اور شوکت و جزالت الفاظ کی جگہ الفاظ نازک و جذبات لطیف نے لے لی۔ اس لئے اردو کے دور حاضر کے قصیدہ کا ایک مخصوص رنگ ماننا پڑے گا کیونکہ اردو دانوں میں عربی فارسی کی کمی اور محکومانہ زندگی کے جذبات واحساسات کو اتنا نرم و نازک بنا دیا جس پر قصیدہ کا رنگ سابق گراں گذرنے لگا اور جب ملک کا ماحول یہی بن گیا تو شعراء کو بھی مجبوراً اپنا رنگ بدلنا پڑا جس کی وجہ سے اردو قصیدہ کا طرز یہ ہو گیا کہ تمہید میں جس موضوع کی بھی تشبیب ہو، اس میں رنگ تغزل ضرور جھلکتا رہے اور تغزل شوکت الفاظ کا متحمل نہیں، اس لئے تشبیب تغزلانہ قرار پائی جس کے بعد گریز اور وہیں سے مدح۔ اردو کے شیعہ شعراء نے اہل بیت علیہم السلام کو اپنا نقطۂ مدح قرار دیا ہے، اگر چہ یہ عمومیت نہیں رکھتا لیکن مولانا جناب ناظمؔ مرحوم نے تو سوائے معصومین کے کسی کی مدح کی ہی نہیں اور اس مدح گوئی یا اردو کے جدید طرز قصیدہ گوئی میں آپ کا مرتبہ بلند سے بلند تر ہے۔ آپ کی ندرت تخیل، معنیٰ آفریں جدت طرازی، دقت فلسفی، جذبات نگاری نے اس زمین کو چرخ چہارم پر پہنچا دیا۔ ان میں سے ہر ایک پر ہم اجمالی روشنی ڈالتے ہیں۔

ندرت تخیل:

شاعری صرف شعر نظم کر لینے کا نام نہیں ورنہ جس شخص کی طبیعت میں فطرتاً موزونیت موجود ہے وہ شعر نظم کر سکتا ہے۔ اساتذہ کے دو چار دیوان دیکھنے کے بعد تخیلات ذہن میں

آجاتے ہیں۔ الفاظ کی بعض ترکیبیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں، انہیں پرانی تخیلات کو اپنے الفاظ کا لباس پہنا کے اپنا شعر کہہ لینا آسان ہے لیکن تخیل میں ندرت پیدا کرنا انہیں لوگوں کا حصہ ہے جن کا دماغ فطرت نے اسی کام کے لئے بنایا ہے اور وہی حقیقی معنوں میں شاعر کہے جانے کے مستحق ہیں۔ درحقیقت شاعری کی تعریف جو اساتذہ نے کی وہی صرف ندرت تخیل ہے خواہ نظم میں ہو یا نثر میں یعنی صرف ندرت تخیل ہی حقیقی شاعری ہے جس میں کلام موزوں یا غیر موزوں کی کوئی قید نہیں اور یہی کلام عنصر اور جو ہر لطیف ہے۔

جناب ناظمؔ مرحوم کے کلام میں □ ندرت تخیل کے بیش بہا جواہر ودیعت ہیں جن کو جوہر بین پرکھ سکتے ہیں مثلاً یہ شعر ؎

خوشی کے جوش سے بحر جہاں میں ہے یہ طغیانی
کہ چھلکا چاہتا ہے گوہر خوش آب کا پانی

موتی کی آب یا موتی کا پانی ایک مشہور بات ہے لیکن اس شعر میں جو ندرت ہے ارباب بصیرت سے مخفی نہیں۔ اس سے ملتی جلتی ہوئی صورت جدت ادا کی ہے۔

جدت ادا:

پرانی تخیل کو جدت ادا سے اس طرح کا لباس پہنانا کہ اس میں تازگی پیدا ہو جائے، ایک دشوار گذار مرحلہ ہے جسے ارباب معنی خوب جانتے ہیں۔ حضرت ناظمؔ مرحوم کے کلام میں شائد ہی کوئی پرانی تخیل ایسی ملے جو جدت ادا کے خوشنما زیور سے آراستہ نہ ہو۔ مثال کے لئے اس شعر کو دیکھو ؎

چلی ٹھنڈی ہوا زنجیر دیوانوں نے کھڑکائی
بہار آئی نزاعیں چھڑ گئیں دست و گریباں میں

موسم بہار میں دیوانوں کی وحشت میں ترقی، زنجیروں کے کھڑکنے کی آواز، دست وحشت کا گریباں پر حملہ کس شاعر نے نظم نہیں کیا بلکہ کسی شاعر کی کوئی غزل مشکل سے ہی ایسی ملے گی جس میں دو چار شعر اس قسم کے موجود نہ ہوں لیکن جناب ناظمؔ مرحوم نے اس مضمون میں وہ طراوت پیدا کی ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ ''نزاعین چھڑ گئیں'' اس جملہ نے جو حُسن پیدا کیا ہے اس کی خوبی ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں:

بہت شہرہ سنا تھا زندگی میں صبح محشر کا
مگر پایا وہی جو ہو چکا تھا شام ہجراں میں

شبہائے ہجر کی سختیوں کا روز قیامت کی سختیوں سے کس نے مقابلہ نہیں کیا لیکن طریق ادا ہی تو ہے جو پرانے مضمون کو نیا بنا دیتا ہے۔

خدا رکھے مری تربت کے اس ٹھکرانے والے کو
ملی مجھ کو لحد میں راحت گہوارہ جنبانی

معشوق کا عاشق کی تربت کو ٹھکرانا کس قدر پرانا مضمون ہے اور کس کس طرح نہیں نظم کیا گیا لیکن شاید ایسی جدت طرازی کسی نے کم کی ہوگی۔

معشوق کی ٹھوکر سے زمین یا تربت عاشق کا ہل جانا تو پرانا مضمون ہے لیکن تربت کے ہلنے سے گہوارہ جنبانی کا مزہ ملنا بالکل اچھوتی بات ہے۔

جدت ترکیب الفاظ:

شاعر جب شاعری کے تمام اول و آخر کے مرحلوں کو طے کر کے معراج کمال پر پہنچتا ہے اور الفاظ پر اتنی قدرت حاصل ہو سکتی ہے کہ وقت نظم تلاش الفاظ کی محتاجی نہ رہے جو لفظ جہاں کے لئے مناسب ہو بے تکلف آجائے اس وقت یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ الفاظ کی قدیم و جدید ترکیبیں مساوی حیثیت رکھتی ہیں یعنی جس طرح قدیم ترکیبیں حسب موقع صرف کرنے پر قدرت رکھتا ہے اسی طرح نئی ترکیبیں ایجاد کرنے میں بھی تکلف نہیں ہوتا اور اس حسن کے ساتھ کہ جب ایک لفظ کے بعد دوسری لفظ آتی ہے خواہ وہ نئی ترکیب کی ہو یا پرانی تو خوبی نشست سے ایک ترشا ہوا نگینہ معلوم ہوتی ہے۔

تصرف الفاظ اور خوبی نشست کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ جو لفظ جہاں پر صرف ہو جائے معلوم ہو کہ اسی جگہ کے لئے خلق ہوئی ہے اور اگر بدل دو تو تخیل بھونڈی اور بھیانک ہو جائے۔ مثال

کے طور پر اس شعر کو دیکھو۔ ساقی سے خطاب ہے:

بچالے تیغ ناکامی سے ساغر دے کے فدیہ میں
منائے دل میں اسمٰعیل حسرت کی ہے قربانی

شعر میں فدیہ، منیٰ، اسمٰعیل، قربانی، ان مناسبات لفظی کے علاوہ ندرت تخئیل کا جوہر لطیف بھی موجود ہے۔ جدت ادا کو دیکھو کہ ساغر کس لطف سے طلب کیا ہے۔ جدت ترکیب الفاظ کے زور کا یہ عالم ہے کہ اگر منائے دل یا اسمٰعیل حسرت سے دل یا حسرت کی لفظ بدل دو تو تخئیل بھونڈی ہی نہیں بلکہ مہمل اور بے معنی ہو جائے گی۔

یہی ایک شعر ندرت تخئیل، معنی آفرینی، نازک خیالی، بلند پروازی، جدت ترکیب الفاظ، خوبی نشست الفاظ، روانی کلام، قدرت تصرف الفاظ، پختگی بندش سب کو ثابت کرتا ہے اور یہ ان کے کلام کی خصوصیت ہے کہ ایک ایک شعر بیشتر محاسن شعر کے یہ جوہر دن سے لبریز ہوتا ہے۔ ایک شعر میں متعدد صنعتوں کا پیدا کرنا اُنھیں کا کام تھا۔

مضمون آفرینی:

زور طبیعت اور عروج فکر کی انتہائی، منزل کمال شاعری اور بلند نظری کا آخری زینہ، معنی آفرینی ہے۔

جب قوت فکری معراج کمال کے آخری نقطہ پر پہنچ جاتی ہے۔ اس وقت متخیّلہ کے زور کا یہ عالم ہوتا ہے کہ نئے نئے مضامین کا اختراع کرتا ہے، شاعری میں اس سے بڑھ کے کسی خصوصیت کا مرتبہ نہیں۔

یہ شرف حضرت ماہرؔ مرحوم کے ساتھ مخصوص ہو گیا کہ انھوں نے جیسے جیسے مضامین عالیہ پیدا کئے ان کا مثل نہ ان کے پہلے تھا، نہ ان کے بعد۔ ان کی جدت طرازی، ان کی معنیٰ آفرینی، نازک خیالی مسلم ہے انہوں نے ایک موقع پر دریا کی لطافت کو پیش نظر رکھ کر جزرومد کی تصویر کھینچی جو ان کے قبل و بعد ملنا مشکل ہے۔

جزر کو یوں دکھلاتے ہیں ؎
جو آئی آنکھوں میں خنکی تو گھٹ گیا پانی

اور مد کو اس طرح ثابت کرتے ہیں ؎

چھلک پڑے تو ذرا موتیوں کی آب بڑھے

سبحان اللہ کیا تخیل ہے اور کیا حسن ادا جس پر بلاغت سو جان سے نثار ہے۔

حضرت ناظمؔ مرحوم کے قصائد اس حیثیت سے بھی بلند پایہ رکھتے ہیں۔ ان کے قصائد میں بہت سے اشعار ایسے ملیں گے جن کی نظیر مشکل سے ہی کہیں نظر آئے گی نمونہ کے طور پر اس شعر کو دیکھو ؎

چڑھے سر میں نشہ، آنکھیں کھلیں، روشن حقیقت ہو
شراب سرخ بن جائے چراغ شام تنہائی

تصرف الفاظ کی قدرت اور متخیلہ کا زور دیکھو کہ اس نے مجاز کو حقیقت کر دیا۔ شراب کا کام ہی مدہوش کرنا اور اس لئے آنکھوں پر پردہ ڈالنے والی اور نظر کے سامنے ظلمت کو بڑھانے والی ہے، لیکن شراب حقیقت جس کا تذکرہ بلند نظر ناظمؔ کو مقصود ہے، وہ آنکھوں پر سے پردہ کو ہٹانے والی اور چشم بصیرت کو کھول کر اسرار حقیقت کو روشن کرنے والی ہے اور اس اعتبار سے رند کے لئے چراغ شام تنہائی ہے جس سے تاریکی کے پردہ دور ہوتے ہیں اور پھر لطف یہ کہ شراب اپنی سرخی اور چمک دمک کی بدولت چراغ سے شباہت بھی رکھتی ہے اور اس لئے تخیل ظاہری و باطنی حیثیت سے مکمل صورت رکھتی ہے۔

جذبات نگاری:

عشقیہ شاعری کا مصرف جذبات نگاری سے بڑھ کر کوئی نہیں لیکن یہ ہر شخص کا کام نہیں۔ اس کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت خیال میں ابتذال و سوقیت کا شائبہ بھی نہ ہو، ورنہ شعر کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا۔ یہی وہ دریا ہے جس میں ابتذال و سوقیت کے تباہ کن بھنور اپنی طرف کھینچتے ہیں اور کنارہ ذوق روحانی و وجدان سلیم کے پر فضا گلشن سے پر بہار ہے۔

ابتذال و سوقیت سے گرداب سے دامن بچا کے کنارے تک پہنچ جانا بہت نازک اور دشوار گذار مرحلہ ہے۔ بڑے بڑے سیاح اور بڑے بڑے غواص اس کی کوہ پیکر لہروں کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ جذبات نگاری کی تعریف یہ ہے کہ جو باتیں ارباب

نزاہت میں فطرتاً ہوتی یا ہوسکتی ہیں، ان کو اس طرح نظم کرنا کہ آنکھوں کے سامنے تصویر کھنچ جائے، دلی جذبات و احساسات میں تلاطم و ہیجان عظیم برپا ہوجائے، ذوق روحانی اسی لذت سے چاشنی گیر ہونے لگے، عالم خیال کی محویت (کی) کوئی حد باقی نہ رہے بلکہ عالم خیال سے نکل کر عالم حس میں آجائے اور نگاہیں اس کا ادراک کرنے لگیں، یہ شاعری کا اعجاز اور شاعر کا کمال قوت متخیلہ کا انتہائی زور، عروج فکر کی آخری منزل، قدرت الفاظ کا بہترین ثبوت ہے، اس لئے کہ جذبات نگاری کا انحصار دو باتوں پر ہے۔ ایک یہ کہ قوت متخیلہ ذوق سلیم کی آغوش میں منازل عروج طے کر کے آخری منزل تک پہنچ جائے۔

دوسرے یہ کہ دماغ میں الفاظ کا کافی ذخیرہ ہو، تصرف الفاظ کا بہتر سے بہتر سلیقہ موجود ہو، شاعر جس مفہوم کو ادا کرنا چاہے، اس کے لئے مناسب الفاظ کی تلاش میں دقت نہ ہو ورنہ مطلب فوت ہوجائے گا اور شعر مہمل۔

حضرت ناظمؔ مرحوم کے دیوان قصائد میں اس قسم کے صدہا شعر ملیں گے۔ ان کی طبیعت کو ایسی شاعری سے خاص مناسبت تھی۔ مجھے دو ہی شعر یاد ہیں ؎

یہ بچپن ہے کہ خود تو سامنے آنکھوں کے بیٹھے ہیں
مگر تصویر پوشیدہ کئے لیتے ہیں داماں میں

با کمال شاعر نے بچپن کے الھڑ پن اور اس کی بے ساختہ اداؤں کی ایسی پیاری تصویر کھینچی کہ اگر غور کرو تو واقعہ عالم حس میں معلوم ہونے لگے، نہیں تو کم سے کم اتنا ضرور سمجھ میں آئے گا کہ دیکھی ہوئی بات ہی اور دلی جذبات و احساسات کا سمندر گھنٹوں طوفانی رہے گا۔ اللہ رے قوت نظم یا یہ شعر ؎

یہ کیوں گھبرا کے سوتے سوتے پوچھا کیا بجا ہوگا
میری جاں سور ہو ہم خود اندھیرے منھ جگا دیں گے

شب وصل پچھلے کو معشوق کے گھر جانے کے لئے جلدی کرنا اور اس کے اضطراب کا عالم کس نے نظم نہیں کیا لیکن جس خوبی سے حضرت ناظمؔ مرحوم نے اس منظر کی تصویر کشی کی ہے، معلوم ہوتا ہے واقعہ ماضی قریب میں گذر چکا ہے۔ ہم کو افسوس ہے کہ ہم ناظمؔ مرحوم کے قصائد کی سیر اس نظر سے ضیق وقت کی وجہ سے نہ کر سکے۔ صرف یاد سے کام لیا ہے تم ہر قسم کی مثالیں ان کے قصائد سے نکال سکتے ہو۔

مشکل پسندی:

قصیدہ کی صفت اور مصنف کی قدرت اور کمال شاعری کا نمونہ یہ ہے کہ قصیدہ کی تشبیب میں یہ معلوم ہو کہ بات سے بات خود بخود نکلتی چلی آتی ہے جس میں نہ کسی قسم کا تصنع ہو، نہ بناوٹ، نشست الفاظ ایسی سجی ہوئی ہو کہ کوئی مصرع بھونڈا اور بھدا نہ ہوجائے، کلام میں روانی ایسی ہو کہ آمد ہی آمد معلوم ہو، آورد کا کہیں شائبہ بھی نہ ہو، قصیدہ میں سب سے زیادہ نازک اور دشوار مرحلہ یہی ہے۔

ان باتوں کو نباہنے کی آسان صورت یہ ہے کہ طرح ایسی منتخب کی جائے جس میں قوافی بکثرت ہوں اور ردیف نہ ہو، تو ممکن ہے قصیدہ شروع سے آخر تک ایک ڈال اتر جائے لیکن یہ بھی ہر شاعر کے لئے نہیں بلکہ حصول کمال اور اس سے زیادہ کمال کا ثبوت یہ ہے کہ قصیدہ مردف کر دیا جائے، لیکن قوافی آسان و بکثرت ہوں اور کمال کا آخری نقطہ یہ ہے کہ ردیف بھی مشکل تلاش کی جائے اور اس میں قصیدہ اپنے حقیقی معنوں کہا جائے، اسی کا نام زور طبیعت اور مشکل پسندی ہے۔

حضرت ناظمؔ مرحوم نے ایسی ایسی مشکل زمینوں میں داد شاعری دی ہے جس سے ان کے کمال کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ سمجھنے کے لئے ان قصائد کو دیکھو۔

(۱) یہ کہتی ہے بہار ایسی خزاں کی گت بنادیں گے۔
(۲) بہار آئی بڑھیں طغیانیاں خون رگ جاں میں۔

اسی طرح دوسرا قصیدہ ہے جس کے قصیدہ کا مصرع اول یہ ہے ؎

سفینہ آگیا ہے دل کا بحر مئے کے طوفاں میں

(۳) ہوا گردوں پہ کعبہ کی طرف پھر ابر تر پیدا

اس سے زیادہ مشکل مرحلہ گریز کا ہے۔ اس کی اعلیٰ تعریف

یہ ہے کہ مصرع اول تک تشبیب ہوا اور مصرع ثانی سے گریز۔

جناب ناظمؔ مرحوم نے اس فرض کو بھی جس خوبی سے انجام دیا ہے، اس سے ان کی قدرت شعری نمایاں ہے۔

اس دیوان کا تیسرا قصیدہ تمہید یہ ہے۔

ہجر معشوق میں دل کی جو حالت ہوتی ہے اس کو نظم □ کیا ہے۔ مصرع اول تک تشبیب ہے مصرع ثانی سے اس طرح گریز کرتے ہیں ؎

ہجوم رنگ و غم بھی باعث تقویت دل تھا
شکست شیشہ دل سے صدائے یا علی آئی

اسی طرح ساتواں قصیدہ خطابیہ ہے اس میں ساقی سے خطاب ہے پہلے مصرع تک یہی عنوان ہے۔ دوسرے مصرع سے گریز ہے۔

تنور جام سے ہو ساقیا یوں مئے کی طغیانی
غدیر خم میں جا نکلے سفینہ ہو کے طوفانی

دقت فلسفی:

علامہ ناظمؔ مرحوم کی بات چیت اکثر فلسفہ و منطق کے اہم مسائل کی مخل ہوا کرتی تھی جو اہل علم کے لئے یاد رکھنے والا درس اور کم مایہ علم لوگوں کے واسطے ایک لطیفہ۔ یہی رنگ شاعری میں بھی تھا کہ مشکل سے مشکل مسائل حکمیہ اس طرح نظم کرتے تھے کہ ایک کم علم کو بھی سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی تھی وہ اس کو مسئلۂ علمیہ سمجھ کے نہ سمجھے بلکہ بجائے خود ایک لطیف بات یا مبالغہ شاعری جیسے یہ شعر ؎

زمین ہر چیز میں روح نباتی پھونکے دیتی ہے
ذرا ٹیکا عصا اور پھوٹ نکلیں کوپلیں دھانی

روح نباتی کیا چیز ہے؟

حکماء کے نزدیک روح نباتی جوہر ارضی ہے۔ مثال کے طور پر سمجھو کہ جب دانہ زمین کے اندر پہنچتا ہے تو زمین کے جوہر لطیف کو جذب کرتا ہے۔ اسی سے اس میں نمو کی قوت پیدا ہوتی ہے اور چند روز میں ایک درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اگر دانہ زمین کے اندر نہ جائے بلکہ سطح ارض پر ہی رک رہے تو ہرگز اس میں نمو کی قوت نہیں پیدا ہو سکتی، اس وجہ سے کہ زمین اس میں روح نباتی نہیں پھونک سکتی لیکن جب دانہ زمین کے اندر پہنچ جاتا ہے تو جوہر ارضی کو جذب کر کے بڑھتا ہے تو اب یہ قوت جو اس میں پیدا ہوئی یعنی روح یہ درحقیقت وہی زمین کا جوہر ہے جو روح نباتی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

جناب ناظمؔ مرحوم نے اس دیوان کے دوسرے قصیدہ کی بہاریہ تشبیب میں یہ شعر نظم کیا ہے ؎

زمین ہر چیز میں روح نباتی پھونکے دیتی ہے
ذرا ٹیکا عصا اور پھوٹ نکلیں کوپلیں دہانی

بظاہر تو شعر میں شاعرانہ مبالغہ کا جوہر کارفرما نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس میں فلسفہ کے اول الذکر مسئلہ کو حل کر کے شاعرانہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جب زمین کے اندر نبات پہنچتی ہے اس وقت اس میں روح نباتی پھونکتی ہے۔ لیکن آج زمین کی یہ حالت ہے کہ ہر چیز میں روح نباتی پھونکے دیتی ہے یہاں تک کہ اگر ایک ذرا عصا بھی ٹیکو تو دھانی کوپلیں پھوٹ نکلیں۔

میں اوپر کہہ آیا ہوں کہ جتنے عناوین میں نے قائم کئے ہیں اس قسم کی صدہا مثالیں حضرت ناظمؔ مرحوم کے دیوان قصائد کی سیر سے تم با آسانی نکال سکتے ہو۔

یہ دیوان جو اس وقت ہم ناظرین کے فائدۂ عام کے لئے دنیائے مطبوعات میں پیش کرتے ہیں، دس قصیدوں پر مشتمل ہے۔ پہلے دو قصیدے جناب رسالت مآبؐ کی شان میں ہیں۔ اس کے بعد پانچ قصیدے جناب امیر المومنینؑ کی مدح مبارک میں ہیں۔ اس میں ایک قصیدہ ایسا بھی ہے جو نہایت پریشانی کے عالم میں نظم کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ جناب ناظمؔ مرحوم نے اپنے بہنوئی جناب مولانا سید محمد عرف آغا جون صاحب قبلہ کی فرمائش پر جب کہ وہ کہیں باہر قیام فرما تھے نظم کیا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس خط کو نقل کریں جو جناب ناظمؔ مرحوم نے قصیدہ کے ساتھ لکھا تھا اس خط سے نظم کے وقت کی پریشانی کا اندازہ ہوگا اور معلوم ہوگا کہ جناب ناظمؔ مرحوم کے اقتدار شاعری کا کیا عالم تھا

ایسے وقت میں قصیدہ نظم کرنا انہیں کا کام تھا۔

نقل خط:

جناب برادر معظم دام ظلہ بعد تسلیم واضح ہو کہ یہاں سب خیریت ہے اور خیریت آپ کی مطلوب ہے۔ چھبو سلمہ خلل (۱) میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اطبا جواب دے چکے تھے برد اطراف، سقوط نبض، غور عینین سب کچھ ہو چکا تھا۔ دماغی حالت بھی خراب ہو گئی تھی مگر اب فی الجملہ امید ہوئی ہے۔ دعا کیجئے۔ آج بارہ روز کا زمانہ ہوا کسی کے ہوش وحواس بجا نہیں ہیں اس حالت میں آپ کی فرمائش میرے حسب دلخواہ کیونکر پوری ہوتی مگر تعمیلاً للحکم آج شب کو یہ چند شعر کہہ دئے ہیں۔ نظر ثانی کی نوبت بھی نہیں آئی۔ اس وقت ایک لفظ بدل دی ہے۔ اچھی طرح فکر بھی نہیں کر سکا۔ جس کے سامنے پڑھئے گا میرا یہ عذر بیان کر دیجئے گا۔ ممکن ہے کہ کوئی سقم رہ گیا ہو باقی سب خیریت ہے۔ اپنی خیریت سے مطلع کیجئے۔ **سید وجاہت حسین ناظم ۷ رجب ۱۳۳۶ھ**

چھبو صاحب جن کا ذکر خط میں ہے یہ جناب ناظم مرحوم کے حقیقی بھانجے تھے اور ایک ہی گھر میں رہتے تھے ایسا مریض گھر میں موجود ہو اور فرمائش کی تعمیل۔ ظاہر ہے کہ قصیدہ جس عالم میں نظم کیا گیا اور پھر ایسا زبردست قصیدہ اسی سے ان کی قادر الکلامی اور کمال شاعری کا پتہ چلتا ہے۔ اس قصیدہ کے صرف دو شعر ہم ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت ناظم مرحوم کے ارتجالیہ قصیدہ کے زور کا کیا عالم ہے۔

بتوں پر گہہ نظر ہے گاہ اپنے دست و بازو پر
ذرا دیکھیں تو اس بچہ کے تیور دیکھنے والے

۞

فدائے دست و بازو دیکھ الٹ دینا نہ دنیا کو
کلائی اپنی اور جبریل کے پر دیکھنے والے

آٹھواں قصیدہ بھی امیر المومنینؑ کی شان گرامی میں ہے لیکن گریز واقعۂ کربلا کی طرف ہے۔

نویں قصیدہ میں حضرت سید الشہداء روحی وارواح العالمین لہ الفدا کی مدح میں ہے۔

دسواں قصیدہ حجت منتظر امام ثانی عشر عجل اللہ ظہورہ کی مدح مبارک میں ہے۔

ان قصائد میں اکثر قصیدہ ایسے ہیں جن کے درمیان میں غزل بھی ملے گی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب ناظم مرحوم بہت شوخ طبیعت شاعر تھے جس سے ان کو غزل کہنا ناگریز تھی لیکن ان کی عالمانہ وجاہت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ ان کو کوئی غزل گو بھی کہے لہٰذا انہوں نے صرف قصیدہ کی صنف اختیار کی لیکن وقت نظم اپنی طبیعت سے مجبور ہو جاتے تھے اور اس وجہ سے ان کے قصیدوں میں غزل بھی نظر آتی ہے۔

تصانیف:

درس وتدریس میں اشتغال کی وجہ سے آپ کو تصنیف و تالیف کا موقع بہت کم ملا پھر بھی ۴۳ سال کی مختصر عمر میں چند بے نظیر کتابیں تصنیف فرما گئے جو علمی سرمایۂ حیات میں بہتر اضافہ کہی جا سکتی تھیں۔ آپ نے پہلے پہل اور وہ بھی ابتدائی دور زندگی میں کتاب ''نظم الکلام فی شرائط الامام'' نہایت محققانہ انداز سے لکھی تھی جس پر حضرت سلطان العلماء رئیس المجتہدین مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہ اور حضرت عالم ربانی محقق لاثانی مولانا سید کاظم حسین صاحب قبلہ دام ظلہ اور حضرت سند العلماء الاعلام مولانا سید علی حسن صاحب قبلہ مرحوم جائسی ایسے حضرات نے نہایت زوردار تقریظیں تحریر فرمائی تھیں۔

دوسری کتاب اثبات وجود حضرت حجت عجل اللہ ظہورہ میں لکھی تھی جس میں حضرت کا وجود اور اس کی ضرورت عقلی دلائل سے ثابت کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مواعظ ومجالس کی کئی جلدیں تیار ہو گئی تھیں جن میں ہر علم کے بیش بہا لیالی مصونہ ودیعت تھے۔

افسوس ہے کہ یہ کتابیں ایسے ہاتھ میں پڑ گئیں جس نے ان بیش قیمت جواہر پاروں کو پردۂ خفا میں چھپا رکھا ہے۔ خداوند عالم اس کو توفیق کرامت فرمائے کہ وہ ان کتابوں کی اشاعت کی

---

(۱) لکھنؤ کی اصلاح میں ہیضہ اور تخمہ کو کہتے ہیں۔

طرف متوجہ ہو۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل الذیل ہے لیکن اس موقع پر بعض نام آور افراد کے اسماء درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) جناب مولانا شیخ محمد مصطفی صاحب جوہرؔ صدرالافاضل پرنسپل مدرسۂ عباسیہ، پٹنہ (مدرسہ سلیمانیہ ہے جو شاید غلطی سے مدرسہ عباسیہ لکھ گیا ہے۔ اسیف جائسی)

(۲) جناب مولانا یوسف مرزا صاحب صدرالافاضل مبلغ مدرسۃ الواعظین، لکھنؤ

(۳) جناب مولانا شیخ محمد بشیر صاحب ممتاز الافاضل مبلغ مدرسۃ الواعظین، لکھنؤ

(۴) جناب مولانا حری حسن جائسی صاحب پیش نماز مقیم حیدرآباد دکن ابن مولانا سید ذکی حسن نقوی جائسی

(۵) جناب مولانا سید اکبر صاحب پیش نماز افریقہ

(۶) جناب مولانا ابوالفضل صاحب صدرالافاضل

(۷) جناب مولانا سید محمد عادل صاحب صدر الافاضل مدرس سلطان المدارس لکھنؤ

(۸) جناب مولانا حکیم غلام رضا صاحب صدرالافاضل

(۹) جناب مولانا بندہ حیدر صاحب صدرالافاضل

(۱۰) جناب مولانا حکیم سید محمد صاحب صدر الافاضل غازی پور

(۱۱) جناب مولانا حکیم سید مقبول حسین صاحب صدر الافاضل

(۱۲) جناب مولانا سید کلب تقی[1] صاحب مرحوم

(۱۳) جناب مولانا سید بخشش حسین صاحب منشی کامل عالم فاضل (الہ آبادی)

(۱۴) جناب مولانا سید رمضان علی صاحب صدرالافاضل دبیر کامل مولوی فاضل

(۱۵) جناب مولانا حکیم سید علی حیدر صاحب صدرالافاضل

(۱۶) جناب مولانا حکیم محمد محسن صاحب صدرالافاضل

(۱۷) جناب مولانا سید علی داور صاحب صدر الافاضل معین العلماء نبیرۂ مجدد شریعت حضرت غفران مآب

(۱۸) جناب مولانا سید سجاد حسین صاحب صدرالافاضل

(۱۹) جناب مولانا خواجہ عترت حسین صاحب صدرالافاضل

(۲۰) جناب مولانا حکیم شیخ محمد یلیین صاحب صدر الافاضل، دبیر، کامل، فاضل ادب مقیم رنگون

(۲۱) جناب مولانا عباس احمد صاحب صدرالافاضل

(۲۲) جناب مولانا حکیم ابن حسن صاحب صدرالافاضل شمس پوری

(۲۳) جناب مولانا صفدر نواب صاحب صدرالافاضل طبیب خاص مہاراجہ صاحب محمود آباد

(۲۴) جناب مولانا حکیم حیدر نواب صاحب

(۲۵) جناب مولانا سید محمد حسن صاحب صدر الافاضل خلف جناب مولانا سید ہادی حسن صاحب قبلہ (متعلم عراق)

(۲۶) جناب مولانا محمد مرتضیٰ صاحب مولوی فاضل پروفیسر تر داہائی اسکول

(۲۷) جناب مولانا سید محمد اطہر صاحب صدرالافاضل

(۲۸) جناب مولانا مرزا محمد اصغر صاحب صدرالافاضل

---

(۱) آپ نہایت ذکی الذہن تھے علم وتقدس میں اپنے امثال میں بے نظیر تھے ہندوستان کی تعلیم ختم کر کے عراق تشریف لے گئے تھے اور وہاں کئی سال تک مقیم رہ کر اکابر علماء سے افادۂ برکات کرتے رہے لیکن افسوس ہے کہ اس پھلتے ہوئے پودے کو جس سے خاندان کی بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں دورِ فلک نے اس وقت خزاں رسیدہ کر دیا جب کہ ثمر آنے کا زمانہ قریب آپہنچا تھا اور بتاریخ ۲۵ رمضان ۱۳۱۹ء انتقال فرمایا جوار ابی عبداللہ الحسین علیہم السلام میں دفن کئے گئے جس نے آپ کو حیات جاوید کا مالک بنا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

(۲۹) جناب مولانا سید منظور حسین صاحب صدر الافاضل

(۳۰) جناب مولانا ابرار حسین صاحب صدر الافاضل

وفات:

ابتدائے جمادی الثانی میں مرض حبس بول میں مبتلا ہوئے۔ جب کسی تدبیر سے پیشاب نہ اترا تو عمل جراحی کیا گیا۔ اس نشتر نے رشتۂ حیات کو قطع کر دیا یعنی نشتر کے بعد جو ٹانکے دئے گئے تھے وہ کسی قہری حرکت سے ٹوٹ گئے جس کے صدمہ سے ۹؍جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ ۴۳ سال کی عمر میں ضعیف باپ اور بڑے بھائی کے سامنے دنیا کو ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیا اور اعزاء واحباب کو داغ مفارقت دے گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن اعلی اللہ مقامہ سخت علیل تھے جس وقت ناظم مرحوم کے انتقال کی خبر ہوئی تو آپ کو اس مایۂ صد فخر و نازہستی کے کم ہو جانے کا اتنا قلق ہوا کہ بے اختیار ہو کر رونے لگے اور دیر تک افسوس کر کے روتے رہے اور اسی رنج وغم کی حالت میں فی البدیہہ تاریخ وفات ارشاد فرمائی۔

تاریخ وفات:

کل تو آئے تھے مجھے دیکھنے کو
دفعتاً مر گئے ناظم کیسے

۱۹۲۵ء

ہندوستان کے شعراء کی کثیر جماعت نے وفات کی تاریخیں نظم کیں۔ ہم اختصار کے خیال سے مداح آل محمد جناب مرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی کی تاریخ پر اکتفا کرتے ہیں۔

قطعہ تاریخ:

جناب ناظم علامۂ عصر
اٹھے دنیا سے اور جنت میں آئے
جمادی الثانی اور روز نہم تھا
جہاں سے عالم راحت میں آئے
بلند آواز اعمال حسن تھی
فضائے گلشن رحمت میں آئے
میان خلد تھے اجداد طاہر
انہیں کے جذبۂ الفت میں آئے
فقیہ و شاعر و مداح یکتا
کہ ممدوحین کی صحبت میں آئے
کھلیں آنکھیں پئے دیدار حیدرؑ
فنا کے بعد جب تربت میں آئے
قصیدہ ہاتھ میں منھ پر ہنسی تھی
خدا کے پاس اس صورت میں آئے
زباں پر مدح نظم و نثر میں تھی
میان خلد اسی حالت میں آئے
سنی تاریخ اور نکلا دل زار
یہ باب علم کی خدمت میں آئے

۱۳۴۴ھ

جناب ناظم مرحوم نے اپنے بعد کے لئے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ آپ کے بڑے بھائی جامع منقول ومعقول حاویٔ فروع واصول علامہ مولانا سید کاظم حسین صاحب دام ظلہ اس وقت موجود ہیں اور آپ کی ذات گرامی خاندان کے لئے باعث صد فخر وناز ہے۔ فلسفہ ومنطق میں آپ اس وقت ہندوستان میں منفرد ہیں۔ آپ کی علمی قابلیت کا سکہ اہل علم کے قلوب پر بیٹھا ہوا ہے۔ آپ اس وقت ہندوستان کے بیشتر دعویٰ داران اجتہاد[1] سے بدر جہا قابل ترین ہیں خداوند عالم آپ کا سایہ مومنین کے سروں پر قائم رکھے۔ فقط والسلام

ناچیز شمس لکھنوی ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء

(باقی آئندہ)

٭٭٭

(۱) دیکھو تاریخ العلماء، مطبوعہ اثناعشری پریس دہلی